تاریخ وسیر

جناب عبدالرؤف ظفر

حضرت مولانا عبدالقادر عارف حصاری

؎ تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

تاریخ اسلام میں بہت سی ایسی شخصیتیں گزری ہیں، جنہوں نے ہر حال میں کلمۂ حق بلند کیا۔ خواہ انہیں اس کی پاداش میں عقوبت و سزا کے کتنے ہی مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے بازو خلیفہ منصور نے اس وجہ سے اکھاڑ دیے کہ آپ فرماتے تھے کہ طلاق مکرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس نے آپ کو اونٹ پر بٹھا کر بازاروں میں بے عزت کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ خود ہی لوگوں کو دیکھ کر فرماتے تھے:

"مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ اَقُوْلُ لَيْسَ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ بِشَیْءٍ"

"جو مجھے جانتا ہے، سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا (تو جان لے) کہ میں مالک ابن انس ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ طلاقِ اکراہ کی کوئی حیثیت نہیں"

اس طرح امام احمد بن حنبلؒ کو مجبور کیا گیا کہ آپ قرآن کو مخلوق کہہ دیں۔ لیکن آپ فرمایا کرتے تھے:

"اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ"

"قرآنِ مجید خدا تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے"

جب اس پر آپ سے اصرار کیا گیا تو فرمایا:

"اَعْطُوْنِیْ شَيْئًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ اَوْ مِنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" (مناقب الامام احمد لابن الجوزی طبع مصر)

یعنی کوئی دلیل کتاب اللہ یا سنّتِ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے لاؤ۔"

معتصم باللہ نے اس پر آپ کو سخت سزائیں دیں، جسم زخموں سے چور ہو گیا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت ہے، جنہیں توحید کے پرچار اور غیر اللہ سے بیزاری کے سبب گوالیار کے قلعے میں تقریباً دو سال تک نظر بند رکھا گیا۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے راست نگار قلم کو روکنے کے لیے نجف خاں کوتوال دہلی نے ان کے ہاتھ اور انگلیوں

کے جوڑ خراب کر دیئے ——— حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو قید میں اس قدر تکالیف پہنچائی گئیں اور زہریلی دھونیاں دی گئیں کہ آپ کی بینائی جاتی رہی، جوڑوں میں مسلسل درد رہنے لگا اور جسم پر برص کے سے داغ پڑ گئے۔ الغرض استقلال و استقامت کے یہ کوہِ گراں ہر دور میں عزم و ہمت کی داستانیں رقم کرتے رہے ہیں۔ تاکہ اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے ڈھارس کا سامان ہوں۔

یہاں ہم ایک ایسے ہی بندۂ خدا کا ذکر کرتے ہیں، جس نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے راہِ حق میں تکالیف اور سختیاں اس شان سے برداشت کیں کہ کبھی پائے استقلال میں جنبش تک نہ آئی۔ یہ شخصیت، استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالقادر عارف حصاریؒ ہیں ——— میں حضرت کا تذکرہ اس وجہ سے نہیں کر رہا کہ وہ میرے نانا تھے۔ آج کل کی اسلاف فروشی کی روش کو دیکھتے ہوئے یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تذکرے کو اس قبیل سے شمار نہ کیا جائے۔ البتہ میری خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کا نواسہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی خدمت میں رہ کر سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ان سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بلکہ ان کی شفقت و محبت میں رہ کر زندگی گزارنے اور آخرت سنوارنے کے انداز اور طریقوں کا پتہ بھی چلا۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں اپنے نواسوں سے بہت محبت کرتے تھے۔

ولادت اور نسب نامہ :

حضرت کا پورا نام عبدالقادر بن محمد ادریس ہے۔ آپ کے دادا کا نام مولوی مستقیم تھا۔ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تحصیل سرسہ ضلع حصار کے ایک بڑے گاؤں گنگا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی قوم ان پڑھ تھی، اور لڑائی جھگڑا ان کا شیوہ تھا۔ لیکن آپ کے والد مولانا محمد ادریس عالمِ دین تھے، اور علاقے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو تعلیم کے حصول کے لیے لکھو کے بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے حضرت مولانا محمد علی لکھوی سے تعلیم حاصل کی، کافی عرصہ استاذ کی خدمت میں رہے۔ ہمیشہ اپنے استاذ کی خدمت اور ان سے ملنے والی تعلیم و تربیت پر فخر کرتے تھے۔ اور مسائل میں ان سے اختلاف کے باوجود ان کا نام بڑے احترام سے لیتے تھے اس کے علاوہ انہوں نے کچھ عرصہ منڈی صادق گنج ضلع بہاولنگر میں غزنوی خاندان کے ایک بزرگ سے تعلیم حاصل کی ——— یاد رہے کہ خاندانِ غزنویہ برِصغیر کی علمی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا

ہے — بچپن ہی سے بہت زیادہ محنت اور دلجمعی سے علم حاصل کیا۔ تحقیق کا ذوق و شوق فطرت نے ودیعت کیا تھا۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" والی مثال آپ پر صادق آتی ہے۔

تزویج :

تعلیم حاصل کرنے کے بعد جلد ہی ان کی شادی کردی گئی۔ والدِ محترم اس سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔

خطابت و تدریس :

تعلیم سے فارغ ہو کر خدمتِ دین کے لیے اپنے ہی گاؤں میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری کیا۔ گنگا میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی۔ مسلمانوں کی چار پانچ مساجد بھی تھیں نمازِ جمعہ، علاقے کے لوگ آپ ہی کے پیچھے ادا کرتے تھے۔ آواز خاصی بلند تھی۔ بغیر لاؤڈ سپیکر کے دُور دُور تک سنی جاتی تھی۔ تقریر میں قرآن و حدیث کے حوالہ جات موتیوں کی طرح جڑے ہوتے تھے۔ اور تاریخی واقعات تقریر کی زینت ہوتے، جبکہ برجستہ اور برمحل اشعار فصاحت و بلاغت کے ساتھ مل کر سونے پر سہاگہ کا کام دیتے۔ تقریر دعوتِ فکر و عمل دیتی اور ذہنوں کی خشک کھیتیوں کے لیے آبیاری کا کام کرتی تھی۔

تعلیمِ دین کو مسلمانوں کے لیے ضروری خیال کرتے تھے۔ اور علمِ دین کے بغیر مسلمانیت کو گمراہی خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں بھی جاتے، حلقۂ درس خود بخود قائم ہو جاتا، گنگا میں بھی کچھ عرصہ پڑھایا، راقم الحروف کے والد مولٰنا عالم دین اور پروفیسر محمد حسین آزاد یہ سب لوگ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ طلباء میں تحریر و تقریر کا شوق ابھارنے اور اس کی تکمیل کے لئے ہر جمعرات کو طلباء میں تقریری مقابلے کراتے اور اوّل، دوم آنے والے طلباء کو انعامات بھی دیتے۔ طلباء کو سمجھانے کا انداز بہت پیارا اور دلچسپ تھا، مثلاً ایک شاگرد جس کا نام عبداللہ تھا اور شادی شدہ تھا۔ اکثر درسِ قرآن میں غلطیاں کرتا اور نسیان کا شاکی رہتا۔ اس کی تعلیمی کمزوری کی وجہ پوچھی تو اس نے شکایت کی کہ مجھے بھول جانے کا مرض ہے، فرمایا بھول کر کبھی بیوی کو اتی کہا ہے؟ کہنے لگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا کیا خدا کا قرآن تمہاری نظر میں تمہاری بیوی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا؟ خدا کی شان، اس طرح سمجھانے سے اس کا یہ مرض جاتا رہا۔ فللّٰہ الحمد!

حضرت اشاعتِ علمِ دین میں بڑی دقیق نظر رکھتے تھے، اور بخوبی سمجھتے تھے کہ کس علاقہ

میں خدمتِ دین کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ پروفیسر محمد حسین آزاد صاحب نے بہاولپور چھوڑنے کا ارادہ کیا اور حضرت سے اجازت طلب کی تو آپ نے موصوف کو ایک خط عربی میں لکھا اور فرمایا "لا تترک بہا ولپور ولو تلقی فی النار"

متحدہ ہندوستان کے دور میں حضرت، طلباء اور عوام الناس کو ہندو محفلوں میں جانے سے روکتے تھے۔ آپ کو احساس تھا کہ ہندو مسلم "ملا جلا معاشرہ" کچے اور ان پڑھ مسلمان ذہنوں کے لیے سمِ قاتل ہے، ایک دفعہ چند طلباء دیوالی پر چراغاں دیکھنے کے لیے گئے۔ وہاں انہوں نے شرارتاً مٹی کے دیئے بھی توڑ ڈالے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو سزا کے طور پر ان سب کو بلا کر ان کے سر منڈا دیئے اور آئندہ کے لیے ایسا نہ کرنے کا وعدہ لے کر معاف کر دیا۔ آپ دوسروں کے مذہبی جذبات کا بھی احترام کرتے تھے۔ اس موقعہ پر سزا یافتہ طلباء کو نصیحت بھی کی۔ اس کے بعد ان طلباء نے پھر یہی حرکت کی تو ان کے ضامنوں کو بلا کر کان پکڑوا دیئے (ان لوگوں نے پہلی غلطی پر ان طلباء کی ضمانت دی تھی) کیونکہ اصول ہے: "الخراج بالضمان"

آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے، لوگ جوق در جوق حلقۂ درس میں شامل ہوتے، اور شاگردی پر فخر کرتے۔ آپ دین کو مسلمانوں کی زندگی میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے دین کو عملی زندگی میں اپنانے کی تلقین کیا کرتے تھے، اس کے لیے نماز کی بہت زیادہ تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اور عام زندگی کے معمولات کے سلسلے میں جتنی دعائیں حضورؐ سے منقول ہیں، وہ طلباء اور عوام کو سکھاتے اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیتے، نمازِ جمعہ میں شامل ہونے کی تلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میرے جنازے کے لیے چالیس نمازی اور پختہ مسلمان تیار ہو جائیں، اور یہ وصیت بھی فرمائی کہ میرے جنازے کو صرف نمازی کندھا دیں۔ جوانی کے عالم میں اور بڑھاپے میں جو آدمی نماز کی جماعت میں شامل نہ ہوتے ان کو جرمانہ کر دیتے۔

حق گوئی اور بے باکی:

آپ کی محافل پند و نصائح اور وعظ و تقریر کی مجالس حق گوئی اور بے باکی کی تصویر ہوا کرتی تھیں۔ خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کسی تنقید اور ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔ آپ کی پوری زندگی حدیث نبویؐ "قل الحق ولو کان مرا" کی زندہ تصویر تھی، ایک دفعہ چک ۲۷ فقیر والی میں آپ راقم الحروف کے ساتھ تھے۔ وہاں کی مشہور دینی درسگاہ سے ایک دوست مجھے وہاں تقریر کے لیے لینے آیا، میں نے اجازت طلب کی تو فرمایا، اگر تقلید کے

خلاف وہاں تقریر کرو تو تمہیں اجازت ہے ورنہ نہیں، بیانِ حق کے لیے کبھی کوئی چیز آپ کے لیے مانع نہ ہوئی - ایک شخص حضرت کو کچھ گندم سالانہ بھیجا کرتا تھا، اس کے علاقہ میں تقریر کی - اس تقریر کے بعض حصوں پر اس شخص نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور گندم بھیجنا بند کر دی - احباب نے اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ کیا ہمارا رزق اس سے وابستہ تھا؟ ہمارا رزق آسمانوں سے آتا ہے اور رازق اس کا خود بندوبست فرماتا ہے - کبھی تقریر کو ذریعۂ معاش نہ بنایا اور نہ تقریر کا معاوضہ طلب فرمایا، اگر کسی نے دیا تو قبول کر کے طلباء پر خرچ کر دیا -

ہندوستان میں ایک دفعہ ایک گاؤں "بامے بالیے" کے زمیندار کو اپنے گاؤں کے لیے عالم کی ضرورت پڑی، اس نے بہت سے علماء کو دیکھا، رکھا، پرکھا لیکن آخر معذرت کی - وہ کہتا تھا ایسا شخص رکھوں گا جو صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ حق گوئی اور بیباکی کا نشان ہو - آخر حضرت کا پتہ چلا تو درخواست کی - آپ نے اشاعتِ علم کی غرض سے قبول کیا - گنگا میں ایک دفعہ جوان بچیوں کی شادی کے مسائل بیان کیے - آپ کے رشتے کے ایک چچا، جن کی لڑکیاں جوان تھیں، اس پر سخت برہم ہوئے - نمازِ جمعہ کے بعد وہ شخص لڑائی و فساد پر اتر آیا، یہاں تک کہ معاملہ عدالت میں پہنچا، آخر اس نے آپ سے معافی مانگی - آپ نے سنتِ نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے معاف کر دیا -

ایک دفعہ چند دیہاتی لوگ جو ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے، شادی سے متعلق بعض مسائل کی پوچھ گچھ کے لیے تشریف لائے، یہ لوگ شادیاں صرف اپنی برادری میں کرتے تھے اور وہ اس کو عین اسلام جانتے تھے - آپ نے بتایا کہ برادری نوازی کوئی اسلام نہیں ہے - اس لیے شادیاں مسلمان ہونے کے ناتے کیا کرو - اور کسی برادری یا خاندان کی قید غلط ہے، ایک شخص نے اپنی بچی حضرت کے صاحبزادے کو دینے کا خیال ظاہر کیا تو اس شرط پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ تمام اخراجات اپنی جیبِ خاص سے ادا کریں گے - وہ شخص مان گیا - اس رشتہ پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس شخص کا جہاد ہے - کیونکہ اس نے غلط رسوم سے بغاوت کرتے ہوئے سنّتِ نبوی پر عمل کیا ہے، لیکن گاؤں کے لوگ مخالف ہو گئے اور آپ کو وہ گاؤں چھوڑنا پڑا -

گنگا کی مسجد و ٹلیں نقارے رکھے ہوئے تھے، جو سب آپ نے پھاڑ دیئے - بے نماز کی نمازِ جنازہ نہ پڑھتے - اپنے حقیقی چچا یعقوب کا جنازہ اس وجہ سے نہ پڑھا کہ وہ بے نماز تھا -

اسے ہمیشہ نماز کی تلقین فرماتے لیکن وہ ہر مرتبہ یہی کہتا کہ آخری وقت توبہ کروں گا۔ لیکن اُسے آخر دم تک اس کی توفیق نہ ہوئی۔ چچا کی بیٹی (اور بھائی کی بیوی) بیمار ہوئی تو فرمایا کہ نماز پڑھا کرو، اس نے وضو سے بیماری میں اضافے کا خدشہ ظاہر کیا، آپ نے تیمم کا طریقہ بتایا اور اشارے سے نماز پڑھنا سکھائی، وہ آخر دم تک نماز پڑھتی رہی تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ایک دفعہ ایک بے نماز عورت کا بچہ فوت ہوگیا، لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے بچے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائی۔ مخالفت تو ہوئی لیکن بعدازاں اس کی والدہ نماز بلاناغہ پڑھنے لگی۔ اس کے خاوند نے کہا، بچے کی نمازِ جنازہ کا حرج نہیں، عورت تو نمازی بن گئی۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ نکاح ہمیشہ توحید پرست کو دیا اور لیا جائے، چنانچہ علاقہ کے ایک بااثر زمیندار سید محمد جوئیہ نے برادری کے خلاف آپ کی بات مان کر اپنی بچی کا رشتہ اپنی برادری کے بجائے ایک اہلِ توحید کو دیا۔ آپ کے علاقے میں جوئیہ برادری کا ایک بے نماز شخص فوت ہوا جس کے پانچ بیٹے تھے۔ لیکن لوگوں کے اصرار کے باوجود اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائی۔

آپ دینی معاملات میں اس قدر سخت ہونے کے باوجود انتہائی رحم دل تھے۔ مخلوقِ خدا حتیٰ کہ انسانوں کے علاوہ جانوروں پر بھی رحم کی تلقین فرماتے، ایک دفعہ کسی رشتہ دار (چچا) نے ایک بلی کو مار دیا۔ اسے اس پر سخت خط لکھا۔ اور اس خط کے باہر لکھ دیا: "ظالم کے دروازے پر جائے!" گنگا کے ہندو نمبردار کی والدہ مرگئی، اس نے اپنے رسم و رواج کے مطابق چالیس دن کے بعد دیسی گھی کی مٹھائی بنوائی اور گاؤں میں اعلان کیا کہ گاؤں میں ہر خاندان کا ہر فرد بلاتمیز مٹھائی لے جائے۔ لیکن آپ نے برسرِعام فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کے لیے یہ مٹھائی حرام ہے، نتیجۃً کسی مسلمان نے مٹھائی نہ کھائی۔ آپ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نماز کی بہت تاکید کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں عورتوں کو نمازِ جمعہ اور نمازِ عید عیدگاہ میں پڑھنے کو کہا کرتے۔ گنگا میں نمازِ عید ایک ہی جگہ پڑھی جاتی اور پڑھاتے بھی آپ تھے۔ گھر والوں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ تاکہ آنحضرتؐ کی اس سنت پر بھی پورا عمل ہو۔ چنانچہ حضرت امّ عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو بھی عیدگاہ جانے کا حکم ہے۔ کہ حائضہ صرف دعا میں شامل ہو جائیں اور تقریریں۔ مولانا اپنے دور کے زبردست مناظر بھی تھے۔ یہ ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ اہلِ بدعت کے مناظرِ

اعظم" بھی آپ کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے، آپ گنگا میں ہی تھے کہ ایک دفعہ دو مولوی صاحبان دلی سے آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آئے۔ لیکن ابھی مناظرے کی ابتدائی شرائط بھی طے نہ ہوئی تھیں کہ نو دو گیارہ ہو گئے۔ اس پر آپ نے یہ شعر بھی کہا ؎

دلی توں دو بلیاں آیاں شیراں مار بھجائیاں
بھجیاں جاندیاں پچھاں نہ ویکھن مڑکے پھیر نہ آئیاں

ہندوستان میں دلیپ سنگھ ایک علاقے کا نام ہے، وہاں اکثریت اہل بدعت کی تھی۔ ان کے مناظر اعظم عمر اچھروی صاحب تھے، اچھروی صاحب اپنے چند دیگر علماء کے ساتھ آئے ادھر سے حضرت کے ساتھ مولانا عبد القادر روپڑی، حافظ اسمٰعیل روپڑی اور مولانا عبداللہ اوڈ تھے۔ پہلے دن مناظرے میں اچھروی صاحب کتابوں کے حوالہ جات نہ لا سکے۔ اور دوسرے دن قضائے حاجت کے بہانے بھاگ گئے۔ اہلِ توحید نے اس کامیابی پر رب کا شکر ادا کیا۔ وہیں حضرت کی تقریر بھی ہوئی، اور سب علماء نے تقریریں کیں، اور حق کو لوگوں نے قبول کیا۔ راستے میں ایک مسجد کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔

چک ۱۷ء ساہیوال میں شیعان کے خلاف ایک پوسٹر محرم کے دنوں میں شائع کیا۔ شیعہ لوگوں نے اس پوسٹر کے چند حوالہ جات کے خلاف عدالت کا رخ کیا۔ اس پر عدالت نے آپ کو طلب کر کے حوالہ جات پیش کرنے کو کہا۔ جس پر آپ نے وہ حوالہ جات پیش کر دیئے تو عدالت نے آپ کو باعزت بری کیا۔ باطل کے خلاف جہاد کرنے کو ہر وقت تیار رہتے۔ پاکستان میں احمد پور شرقیہ میں (جہاں ایک مشہور مقدمہ میں پہلی دفعہ کسی عدالت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا) قادیانیوں سے آپ کا مناظرہ بھی ہوا۔ اس میں آپ کے ساتھ مولانا حافظ عبداللہ تھے۔

مکہ مکرمہ میں کسی مسجد میں ایک مولوی صاحب کے ساتھ نماز پڑھی، دیکھا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ بعد از نماز فرمایا "فَسَدَ الْوُضُوْءُ وَفَسَدَتِ الصَّلٰوۃُ" وہ حیران ہوا تو حدیثِ رسولؐ سے اس کو یہ مسئلہ دکھایا —— ان کی سختی صرف دینی غیرت کی بنا پر تھی اور محبت والفت کا معیار اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت تھی۔ حیاتِ مسیحؑ کے متعلق اپنے استاد مولانا محمد علی لکھوی کے خلاف اشتہار شائع کیا۔

گنگا میں کچھ لوگ رقاصہ کا ناچ دیکھنے گئے، آپ کو پتہ چلا تو فتویٰ دیا کہ رقاصہ کا ناچ

دیکھنے والوں کا نکاح باطل ہو گیا۔ ان کی بیویاں ان کے لیے حرام ہیں۔ جس پر لوگوں نے تجدیدِ نکاح کی۔
بے نماز سے سلام نہ لیتے، البتہ خیریت پوچھ لیتے۔ حقہ نوشی کے خلاف تھے۔ حقہ نوش کو امام بنانے سے منع کرتے تھے۔ اور فرماتے، فرشتے منہ پر منہ رکھ کر درود لے کر جاتے ہیں، ان کو نفرت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ فضول خرچی بھی ہے۔ ایک دفعہ پنجکوسی میں شامی کی ایک عبارت، جس میں تمباکو نوشی کی حرمت کا ذکر تھا، لکھ کر حنفی علماء کو بھیج دی، اسے آپ نے بطورِ دلیل پیش کیا تھا۔ جس کا جواب ان لوگوں کے پاس نہ تھا۔

قاسم العلوم فقیر والی کے مہتمم مولوی فضل محمد اپنے ساتھ مولوی حسن وغیرہ کو لے کر حاجی دریام کے مکان پر چک ۲۴ میں آئے۔ ایک دعوت کا اہتمام تھا۔ مولوی صاحب نے کھانا ٹیک لگا کر کھایا۔ چوکڑی کی صورت میں بیٹھے تھے۔ اور دعا کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کھول کر الگ الگ کر کے دعا کی۔ جب مولانا فضل محمد صاحب جانے لگے تو آپ سے مصافحہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اَقُوْلُ لَكَ قَوْلاً حَسَنًا اَلتَّرَبُّعُ مِنَ الْاِتِّكَاءِ وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ مُتَّكِئًا۔"

اور فرمایا:

"ضَمُّ الْيَدَيْنِ فِي الدُّعَاءِ سُنَّةٌ!"۔ مولوی فضل محمد صاحب خاموش رہے اور فرمایا ٹھیک ہے۔

لوگ صرف اس وجہ سے مخالف ہو جاتے کہ آپ حق بات کہنے سے نہیں رُکتے تھے۔ عام طور پر وہی مسائل بیان کرتے جن کی ضرورت ہوتی، سود کی حرمت، اہل ایمان سے رشتہ داریاں، اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، صلہ رحمی، اتفاق و اتحاد، فکرِ آخرت، توحید اور اتباعِ سنتِ رسول اللہ آپ کے بہترین موضوعات تھے۔ تقریر ہو یا تحریر، خواہ کسی مجلس میں بات کرتے تو حوالے سے کرتے۔ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک یادگار تقریر کی۔ جس میں تقریباً چالیس، پچاس احادیث بطورِ حوالہ پیش کیں جو ریکارڈ کر لی گئیں۔

(جاری ہے)

محدث خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دیں!